زلیخا کے بارے میں ایک بحث

جناب پروفیسر عبدالحفیظ صاحب

تفہیم القرآن کے صفحہ ۳۹۰ — ۳۹۱ پر، یوسف اور زلیخا کے بارے میں لکھا ہے:

"مگر یہ جو ہمارے ہاں شہرت ہے کہ بعد میں اس عورت سے حضرت یوسفؑ کا نکاح ہوا، اس کی کوئی اصل نہیں ہے، نہ قرآن میں اور نہ اسرائیلی تاریخ میں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک نبی کے مرتبے سے یہ بات بہت فروتر ہے کہ وہ کسی ایسی عورت سے نکاح کرے جس کی بدچلنی کا اس کو ذاتی تجربہ ہو چکا ہو۔ قرآن مجید میں یہ قاعدۂ کلیہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ: اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ۔ بری عورتیں برے مردوں کے لیے ہیں اور برے مرد، بری عورتوں کے لیے۔ اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے ہیں اور پاک مرد، پاک عورتوں کے لیے۔"

سوال یہ ہے کہ زلیخا پر "اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ ......" کا اطلاق کیونکر ہو سکتا ہے۔ جب کہ سورۂ یوسف کی آیات ۵۳، ۵۲، ۵۱ کی رو سے علمائے امت کی ایک بڑی جماعت زلیخا کی توبہ کی قائل ہے۔

زلیخا پر "اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ ....." کو منطبق کرنے سے پہلے، ارادۂ گناہ اور ارتکابِ گناہ میں فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اگرچہ گناہ کا ارادہ زلیخا میں تھا لیکن دوسری جانب عفت و عصمتِ نبوت اور حفاظتِ الٰہیہ کی وجہ سے گناہ کا وقوع نہ ہو سکا۔ اب دیکھیے گناہ کر کے توبہ کی توفیق مل جائے تو بھی

معافی ہو جاتی ہے جب جبکہ کہ ابھی گناہ کا وقوع ہوا بھی نہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ اگر کسی کا مطمحِ نظر صرف شہوت یا جنسی خواہشات ہی ہوں تو وہ انہی خواہشات کی تکمیل دوسرے افراد سے بھی کر سکتا ہے۔ مصر کی اُس وقت کی مخلوط سوسائٹی میں اس کے مواقع اور بھی زیادہ تھے۔ لیکن کہیں سے بھی یہ ثبوت نہیں ملتا کہ زلیخا نے کسی اور سے اس قسم کی خواہش کا اظہار کیا ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زلیخا عام شہوت پرست اور جنسی خواہشات کی بھوکی نہ تھی۔ بلکہ یوسف علیہ السلام کے ما فوق العادہ حسن سے مرغوب و ... نہ ہو گئی تھی۔ اس لیے زلیخا کو اَلْخَبِيثٰتُ لِلْخَبِيثِينَ ...... کے زمرے میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ علمائے اُمت کی ایک کثیر تعداد یوسف علیہ السلام اور زلیخا کی تزویج کی قائل ہے۔ اندریں صورت زلیخا پر اَلْخَبِيثٰتُ لِلْخَبِيثِينَ کو منطبق کرنا کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

آیئے علی الترتیب ان نکات کا جائزہ لیں جن کی بنا پر تفہیم القرآن کی ایک عبارت کو ہدفِ تنقید بنایا گیا ہے۔

(۱)

پہلی بات کہ علمائے اُمت کی ایک کثیر تعداد، زلیخا کی توبہ کی قائل ہے، وہ اِن آیات کی بنا پر ہے۔

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ۝

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔

(سورہ یوسف ۵۲ - ۵۳)

جو حضرات، زلیخا کی توبہ کے قائل ہیں وہ اِن آیات کو زلیخا کا قول سمجھتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اِن کے بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے کہ آیا یہ کلامِ یوسف ہے یا زلیخا کا قول ہے۔ جنہوں نے اسے امراۃ العزیز کا کلام کہا ہے، اُن میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے کہ "لیعلم" کا فاعل کون ہے؟ عزیزِ مصر یا یوسف؟ "یعلم" کا فاعل عزیزِ مصر بتلانے والوں کے نزدیک ان آیات کا ترجمہ ہوگا:-

"یہ اس لیے کہتی ہوں کہ (عزیز مصر) کو معلوم ہو جائے کہ میں نے پسِ پشت اس کی خیانت نہیں کی اور اللہ خیانت کرنے والوں کی چالوں کو چلنے نہیں دیتا۔
اور میں اپنے نفس کو بری نہیں ٹھہراتی۔ کیونکہ نفس تو برائی پر اکساتا ہی کرتا ہے بجز اس کے جس پر میرے پروردگار رحم کرے۔ میرا رب تو غفور و رحیم ہے۔"

• "یہ اس لیے کہتی ہوں" کا مشار الیہ اس سے پہلی آیت میں ہے:

أَنَا رَاوَدْتُّهُ عَنْ نَّفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

(وہ میں ہی تھی جس نے اس کو پھسلانے کی کوشش کی تھی۔ بے شک وہ بالکل سچا ہے)۔

اِن آیات کو کلامِ زلیخا ماننے کے لیے درج ذیل نکات مانع ہیں:

۱۔ "یہ اس لیے کہتی ہوں کہ عزیز مصر کو معلوم ہو جائے ......" لیکن عزیز مصر پر تو شاہی دربار میں تحقیقات سے پہلے ہی "شاہد" کی شہادت کی وجہ سے یوسفؑ کی بے گناہی ثابت ہو چکی تھی۔ اور وہ اپنی بیگم کے قصور کا معترف بھی ہو چکا تھا۔

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ
اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ۲۸ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا
وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِيْنَ - ۲۹ -

(جب شوہر نے دیکھا کہ یوسفؑ کا قمیص پیچھے سے پھٹا ہے تو اس نے کہا: "یہ تم عورتوں کی چالاکیاں ہیں، واقعی بڑے غضب کی ہوتی ہیں تمہاری چالیں۔ یوسف! اس معاملے سے درگذر کر اور اے عورت! تو اپنے قصور کی معافی مانگ، تو ہی اصل میں خطاکار تھی)

اس لیے یہ بات بڑی عجیب لگتی ہے کہ یوسفؑ کی سچائی کے اعتراف کی غایت یہ ہو کہ عزیز مصر جان لے کہ امراۃ العزیز بالکل بے گناہ ہے، اس کی عدم موجودگی میں اس نے اس کی خیانت نہیں کی۔ یہ تو بالکل بے جوڑ بات معلوم ہوتی ہے۔ اپنی بیوی کے مکر و فریب سے واقف خاوند کے سامنے، بیوی کی برأت و صفائی کی کیا وقعت ہے؟ یوسف کی صداقت کا اعتراف کرنے سے زلیخا کے اپنے

افعال کی شناعت کیسے کم ہوتی ہے ؟

۲ ـــ یوسف کی پاکدامانی کوئی ڈھکی چھپی حقیقت تو نہیں رہ گئی تھی ، جس کا انکشاف پہلی بار دربار شاہی میں ہوا ۔ بیگماتِ مصر کے سامنے امراۃ العزیز نے یہ کہا تھا ؛

ولقد راودته عن نفسه فاستعصم ط

(بے شک میں نے اُسے رِجھانے کی کوشش کی تھی ، مگر یہ بچ نکلا) ۔

یہاں " راودته " (میں نے اُسے رِجھانے کی کوشش کی) ، کا اعتراف ، ندامت و شرمساری کی وجہ سے نہیں کر رہی ہے بلکہ یہ زنانِ مصر کے طعنوں کے جواب میں کہتی ہے کہ :

" دیکھ لیا ! یہ ہے وہ شخص جس کے معاملے میں تم مجھ پہ باتیں بناتی تھیں " ۔

یعنی اِس کو پھسلانے ، رِجھانے اور اِس پہ ڈورے ڈالنے پہ میں حق بجانب ہوں ، کیا ہوا اگر یہ غلام ہے ، جوانِ رعنا تو ہے ۔

شاہی دربار میں بھی وہ یہی لفظ " راودته " استعمال کر رہی ہے ۔ یہاں بھی وہ یہ کہتی ہوئی نادم و شرمسار نہیں ہے ۔ یہاں تو وہ اِس وجہ سے یہ بتا رہی ہے :

قالت امرأت العزيز الئن حصحص الحق ـــ ۵۱

(عزیز کی بیوی بول اُٹھی ، اب تو سچ کُھل چکا ہے)

یوسف کی سچائی کو وہ اب حق کُھل چکنے کی وجہ سے بیان کرنے پر مجبور تھی ۔ ایک تو بیگماتِ مصر کی گواہی کی وجہ سے :

قلن حاش لله ما علمنا عليه من سوء ـــ ۵۱

(سب نے یک زبان ہو کر کہا ، " حاشا للہ ، ہم نے تو اُس میں بدی کا شائبہ تک نہ پایا) ۔

دوسرے بادشاہ کی اپنی تفتیش کی وجہ سے ، جس پر قرآن کے یہ الفاظ روشنی ڈال رہے ہیں :۔

قال ما خطبكن اذ راودتن يوسف عن نفسه ط

(تمہارا کیا تجربہ ہے اُس وقت کا جب تم نے یوسف کو رِجھانے کی کوشش کی تھی)

اب اگر وہ یوسف کی پاک دامانی تسلیم نہ بھی کرتی تو اُس کی وقعت کیا ہوتی ؟

ایسے لگتا ہے اُس مخلوط مصری سوسائٹی میں ڈورے ڈالنا ، پھسلانا یعنی HOOKING اور

CHASING کوئی برا فعل یا معیوب عمل متصور نہیں ہوتا تھا - بلکہ یہ ایک معمول کا فن بن گیا تھا - بیگماتِ مصر نے زلیخا کو یہ طعنہ نہیں دیا تھا کہ وہ ڈورے کیوں ڈال رہی ہے، بلکہ اعتراض یہ تھا کہ نوجوان غلام کے پیچھے فریفتہ کیوں ہو رہی ہے، کسی صاحب حیثیت، اعلیٰ خاندان کے شہزادے پر فریفتہ ہوتی - اس لیے "راودتہ" کہتے ہوئے اُس نے نہ تو عورتوں کی بھری محفل میں شرم محسوس کی اور نہ دربار شاہی میں -

۳۳ — "میں نے پس پشت اُس (عزیز مصر) کی خیانت نہیں کی" حالانکہ وہ اپنے خاوند کی عدم موجودگی میں (بالغیب) دعوت گناہ دیکر خیانت کی مرتکب ہو چکی تھی - یہ دعوتِ گناہ کی خیانت ایک بار نہیں، دوسری بار شہر کی عورتوں کے سامنے کی - گناہ کی دعوت ہی نہیں، انکارِ دعوت پر قید کی دھمکی بھی تھی - یعنی حکماً برائی کے لیے کہا جا رہا ہے:

وَلَئِن لَّمْ يَفْعَلْ مَا آمُرُهُ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُونًا مِّنَ الصَّاغِرِينَ - ۳۲

(اگر یہ میرا کہا نہ مانے گا تو قید کیا جائے گا اور بہت ذلیل وخوار ہوگا) -

یہ تو عصمتِ نبوت کا کمال ہے کہ یوسفؑ ملوث نہ ہوئے ورنہ زلیخا نے تو اپنے آپ کو دعوتِ عیش کے لیے پیش کر ہی دیا تھا - اس میں زلیخا کا "خیانت" نہ کرنے کا فعل اپنی طرف منسوب کرنا چہ معنی دارد؟ پہلے یوسفؑ کے بارے میں زلیخا نے کہا: وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ (بے شک وہ بالکل سچا ہے) اور اب وہ اپنے بارے میں فرماتی ہیں: أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ (میں نے پسِ پشت — عزیز مصر کی خیانت نہیں کی) - اگر سچائی کا فاعل یوسفؑ ہے تو خیانت نہ کرنے کا فاعل بھی یوسفؑ ہونا چاہیے تھا نہ کہ زلیخا — "اور میں اپنے نفس کو بری نہیں ٹھہراتی"، حالانکہ "خیانت نہ کرنے کا فعل" اپنی طرف منسوب کر کے وہ اپنے نفس کو بری ٹھہرا رہی ہے - پہلے زلیخا انا راودتہ عن نفسہ (وہ میں ہی تھی جس نے اُس کو پھسلانے کی کوشش کی تھی) کہہ کر اپنی خیانت اور گناہ کا اقرار کر رہی ہے - درمیان میں انی لم اخنہ بالغیب (میں نے پس پشت اُس کی خیانت نہیں کی) کہہ کر اپنے گناہ کا انکار کر رہی ہے - پھر آگے "وما ابری نفسی" کہہ کر اپنے نفس کو بری نہیں ٹھہرا رہی - یعنی ایک ہی سانس میں اقرار، انکار اور پھر اقرار - کم از کم قرآن کا اجمال وکمال وجمال ایسی بے جوڑ باتوں سے عاری ہے -

قرآن تو ایسے تضاد کا بالکل روادار نہیں ہے۔ یہ التباس زیرِ غور اقتباس کو قول زلیخا ماننے ہی کی وجہ سے پیش آ رہا ہے۔

۴ — اگر "لیعلم" کا مرجع، حضرت یوسف علیہ السلام کو مانا جائے تو آیت ۵۲ کا ترجمہ ہو گا:

"یہ اس لیے کہتی ہوں کہ (یوسف) کو معلوم ہو جائے کہ میں نے پس پشت اس کی خیانت نہیں کی اور اللہ تو خیانت کرنے والوں کی چالوں کو چلنے نہیں دیتا۔"

یہاں "یوسف کی خیانت" کے کیا معنی؟ کیا صداقتِ یوسف کا اعتراف نہ کرنا خیانت ہوتی؟ کیا عصمتِ یوسفؑ کا اعتراف نہ کرنا خیانت ہوتی؟ ایسا تو بیگم قوطیفار نہ کر سکتی تھی، کیونکہ اس کے اپنے بقول "حصحص الحق" (حق کھل چکا تھا)۔ عزیزِ مصر خود، یوسفؑ کی بے گناہی کا قائل ہو چکا تھا۔ بیگماتِ مصر اس کی گواہی دے چکی تھیں۔ خود بادشاہ، حقائق سے واقف ہو چکا تھا اور تو اور زلیخا خود زنانِ مصر کو دی گئی دعوت میں "فاستعصم" (مگر یہ بچ نکلا) کہہ چکی تھی۔ اب وہ کس منہ سے اِس حقیقت کا انکار کرتی؟

اِن دلائل کی رُو سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ سورۂ یوسف کی آیات ۵۲ — ۵۳ کو قول امراۃ العزیز ماننا ناممکن ہے۔ جب یہ قول زلیخا نہیں تو پھر توبۂ زلیخا کی بنا کونسی رہ گئی؟ زیرِ بحث آیات قولِ یوسفؑ ہیں۔ اس میں کوئی تضاد نہیں اور سیاق و سباق میں کوئی جھول نظر نہیں آتا۔ ملاحظہ ہو:

(یوسف نے کہا) : "اس سے میری غرض یہ تھی کہ (عزیز) یہ جان لے کہ میں نے در پردہ اس کی خیانت نہیں کی تھی اور یہ کہ جو خیانت کرتے ہیں اُن کی چالوں کو اللہ کامیابی کی راہ پر نہیں لگاتا۔ میں کچھ اپنے نفس کی برأت نہیں کر رہا ہوں، نفس تو بدی پر اکساتا ہی ہے اِلّا یہ کہ کسی پر میرے رب کی رحمت ہو، بے شک میرا رب بڑا غفور و رحیم ہے۔"

"اس سے میری غرض" (ذٰلک) کا مشارٌ الیہ، تحقیقات کا وہ مطالبہ ہے جو حضرت یوسفؑ نے ان الفاظ میں کیا تھا:

"جب شاہی فرستادہ یوسف کے پاس پہنچا تو اس نے کہا،

"اپنے رب کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کہ اُن عورتوں کا کیا معاملہ ہے، جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے؟ میرا رب تو اُن کی مکاری سے واقف ہی ہے"۔

(آیت ـ ۵۰)

اِس اقتباس کو یوسفؑ کا کلام ماننے پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ یوسفؑ تو ابھی بادشاہ کے پاس پہنچے ہی نہیں تھے۔ پھر یہ بات انھوں نے، اُس کے سامنے کیسے کردی؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ عدالتی تحقیقات کا مطالبہ، یوسفؑ نے بالمشافہ بادشاہ سے نہیں کیا تھا، بلکہ اس کے بھیجے ہوئے پیغام بر کے ذریعے کیا تھا۔ اور پیغام لانے والا بھی وہ جو یوسفؑ کے جیل کا ساتھی تھا۔ اِس کے دوبارہ جیل میں یوسف کے پاس جا کر تحقیقات کے نتائج بتلانے پر یوسفؑ کے لیے اس عدالتی تحقیقات کی غرض و غایت بیان کرنا ضروری تھا تاکہ اُس پیامی کو اور اُس کے ذریعے لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ یعنی یوسفؑ کسی اخلاقی جرم کی بنا پر جیل نہیں ڈالے گئے تھے۔ یعنی یوسفؑ نے یہ بات بادشاہ سے نہیں پیامی سے کہی تھی۔

دوسرا اعتراض اس پر یہ کیا جا سکتا ہے کہ جب عزیز مصر پر واضح ہو چکا تھا، یوسفؑ بے گناہ ہے اور اصل قصور، اُس کی بیوی کا ہے تو دوبارہ اس کی کیا ضرورت تھی کہ:

"(عزیز) یہ جان لے کہ میں نے در پردہ اُس کی خیانت نہیں کی تھی....."

اِس کا جواب یہ ہے کہ بے شک حضرت یوسفؑ کی بے گناہی ثابت ہو چکی تھی لیکن اس کے باوجود جیل میں ڈال کر دامنِ نبوت کو داغدار کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ نبوت کے کام کے لیے ضروری تھا کہ یوسفؑ بالکل بے داغ ہو کر لوگوں کے سامنے آئیں اور یہ کام عدالتی تحقیق کے بغیر ہو نہیں سکتا تھا۔

یہ تو تھی پہلے اعتراض کی حقیقت کہ زلیخا تائب ہو چکی تھی لہٰذا وہ "اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ ....." کے زمرے میں کیسے شامل ہو سکتی ہے؟

(۲)

آیئے دیکھتے ہیں دوسرے اعتراض کو کہ زلیخا پر "اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ" کو منطبق کرنے سے پہلے ارادۂ گناہ اور ارتکاب گناہ میں فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

زلیخا کے ہاں گناہ کا ارادہ ہی نہ تھا، بلکہ اُس نے بُرے مقصد کے حصول کے لیے عمل بھی شروع کر دیا تھا۔ لیکن یہ پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکا۔ گناہ کے ارادے اور ارتکاب میں صرف دو نقطے ہی نہیں ہیں۔ ان کے درمیان کی کڑیاں بھی پیشِ نظر رکھیے۔ ارادہ یا نیت تو عمل کی بنیاد اور محرک ہوا کرتا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں، زلیخا نے صرف ارادۂ گناہ کیا تھا یا اُس کی تکمیل کے لیے کچھ اعمال و افعال بھی؟ "پھسلاوٹ میں برابر لگی رہی"، نرا ارادہ نہیں تھا، یہ ایک عمل تھا اور اس کا محرک گناہ کا ارادہ تھا۔ "سب دروازوں کو اچھی طرح بند کر دیا" یہ ارادہ نہیں بلکہ اس کی تکمیل کے لیے ایک عمل تھا۔ "اور بولی آؤ، اپنا کام کرو"، محض ارادہ تھا؟ نہیں، دعوتِ گناہ کے لیے بلاوا تھا اور یہ بلانا خود ایک عملِ گناہ ہے۔ "وہ اُس کی طرف بڑھی"۔ اور یہ غیر مرد کی طرف بُرے ارادے سے بڑھنا کیا صرف ارادہ تھا؟ نہیں یہ بُرے مقصد کی تکمیل کے لیے سعی و جہد تھی اور یہ کوشش بجائے خود فعلِ قبیح ہے۔

امام راغب، مفردات القرآن میں لکھتے ہیں:۔

الخبث والخبیث: ہر وہ چیز جو ردی اور خسیس ہونے کی وجہ سے بُری معلوم ہو۔ خواہ وہ چیز محسوسات سے ہو یا معقولات (یعنی عقاید و خیالات) سے تعلق رکھتی ہو۔

"الخبیثات والخبیثین" کی تشریح میں لکھتے ہیں،

"یعنی افعال قبیحہ اور آوارہ کام، یہ بد باطن اور آوارہ لوگ ہی کرتے ہیں"۔

آپ نے دیکھا کہ خباثت کا اطلاق صرف گناہ کی انتہا ہی پر نہیں ہوتا بلکہ گناہ کے محرک ارادے، خیال اور اس تک پہنچنے والے افعال پر بھی ہوتا ہے۔ "ڈورے ڈالنے" سے لے کر "اس کی طرف بڑھنے" تک کے مدارج میں خباثت نہیں تھی، قباحت نہیں تھی؟ "راودتہ" سے لے کر "ولقد ھمت بہ" تک خباثت ہی خباثت اور قباحت ہی قباحت ہے۔

قرآن نے تو امراۃ العزیز کی دعوتِ گناہ کے فعل کو بدی اور فحاشی سے تعبیر کیا ہے اور یہ چودہ سو سال سے اس کی تلاوت و تفسیر ہو رہی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اِس فعلِ منکر کو سُوء اور فحشاء کہہ رہا ہے تو آج اگر اِس کی روشنی میں کوئی "اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ ......" کا اصول قرآنی یاد دلا دے تو کیا مضائقہ ہے؟

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ ؕ

(ایسا ہوا، تاکہ ہم (یوسف) سے بدی اور بے حیائی دُور کر دیں)۔

یہ بات کہ زلیخا کو گناہ سے توبہ کی توفیق مل گئی تھی۔ اس کی قرآن سے تائید نہیں ہوتی بلکہ وہ اُس گناہ پر اصرار کی تصویر پیش کرتا ہے۔ قرینہ کی گواہی اپنی بیوی کے خلاف پڑتے دیکھ کر عزیزِ مصر اُسے کہتا ہے۔

"..... اور اے عورت! تو اپنے قصور کی معافی مانگ، تو ہی اصل میں خطا کار تھی"۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ امراۃ العزیز اپنی خطا کی معافی مانگتی لیکن بیگماتِ مصر کے سامنے پوری ڈھٹائی سے بولی:

"اگر یہ میرا کہنا نہ مانے گا تو قید کیا جائے گا اور بہت ذلیل و خوار ہو گا"۔

اگر زلیخا تائب ہو گئی تھی تو پھر قرآن کے ذریعے اُس کے بُرے افعال کا یوں چرچا کیوں؟

(۳)

اب آیئے تیسری بات کی طرف کہ "زلیخا عام شہوت پرست اور جنسی خواہشات کی بھوکی نہ تھی"۔ یہ نہ بھولیے کہ زلیخا شادی شدہ تھی، شوہر دار تھی۔ وہ نوطیفار کی بیوی، عزیزِ مصر کی بیگم تھی۔ یوسف کے مافوق العادہ حسن سے مرعوب و متاثر ہونا اُس کے لیے معذرت نہیں بلکہ یہ تو اُس کے گناہ کی شناعت اور شدت میں اور اضافہ کر دیتا ہے۔ اپنی جنسی شہوت بجھانے کے لیے اُس کے پاس جائز ذریعہ موجود تھا۔ اپنے شوہر کے علاوہ، جنسی خواہش کا اظہار، اُس کے شہوت پرست اور جنسی خواہشات کی بھوکی ہونے کے لیے کتنا واضح اور بیّن ثبوت ہے۔ "یوسف کے علاوہ" نہیں، "شوہر کے علاوہ"، اپنی جنسی آگ بجھانے کے لیے کسی کو طلب کرنا کیا خیانت نہیں، فحاشی نہیں، بدی نہیں؟

(۴)

چوتھی دلیل کہ علمائے اُمت کی ایک کثیر تعداد، یوسف اور زلیخا کی تزویج کی قائل ہے، اس لیے نبی کی بیوی کی حیثیت سے وہ "اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ" میں قطعاً شامل نہیں کی جا سکتی۔

اصل بات تو یہی ہے جس کے دفاع کے لیے تزویج زلیخا کے لیے تاویلیں دی جا رہی ہیں۔ بات علمائے اُمت کی نہیں، علمائے اُمت کے علم کی ہے اور علم کے ذرائع اور مآخذ ہیں۔ یہ مآخذ اور ذرائع قرآن، حدیث، تاریخ کے علاوہ کتب سابقہ ہیں۔ لیکن ان میں کہیں بھی یوسفؑ، زلیخا کی تزویج کا ذکر نہیں۔ غلط فہمی کی بنا پر اگر علمائے اُمت نے ایک غلط بات لکھ دی ہے تو کیا اس بات کو علما کے تقدس کی وجہ سے جائز قرار دیا جا سکتا ہے؟

علامہ منصور پوری، اس تزویج کے افسانے کی حقیقت بیان کرتے ہیں۔ الجمال والکمال ص ۱۵۹-۱۶۰

"لوگوں نے بنا لیا ہے کہ پھر یہ عورت از سر نو جوان بنائی گئی۔ پھر یوسفؑ صدیق کے نکاح میں آگئی تھی۔ مگر اس امر کے ثبوت میں کوئی صحیح روایت اسلامی یا اسرائیلی موجود نہیں ہے۔

فخر رازیؒ نے تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ یہی امراۃ العزیز، حضرت یوسفؑ کے دونوں فرزندوں منسّی و افرائیم کی والدہ ہے لیکن تورات سے اس قیاس کی تردید ہوتی ہے۔

کتاب پیدائش ۴۱ باب ۵۰ تا ۵۲ درس میں تو یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے شہر اُون کے کاہن مسمّی فوطی فرع کی دختر مسماۃ آسناتھ سے نکاح کیا تھا اور مذکورہ بالا ہر دو پسر اُس کے بطن سے ہیں۔ ہمارے علمائے بزرگ کو غالباً اس لیے مغالطہ ہوا کہ العزیز کا نام فوطی فار تھا اور اس کاہن کا نام فوطی فرع تھا۔ یہ دونوں نام بہت زیادہ مشتبہ الصّوت ہیں۔

لیکن جب مؤرّخ غور کرے گا تو اُسے معلوم ہو جائے گا کہ ان دونوں کی شخصیت میں بہت بڑا فرق ہے۔

فوطی فرع کاہن تھا یعنی امام مذہب، اس کی دختر کنواری تھی۔ اس کا نام آسناتھ تھا۔ فوطی فار، فرعون کے جلوداروں کا سردار تھا۔ اس کی عورت بیوہ یا مطلقہ ہو سکتی ہے اس کا نام لوگوں نے زلیخا یا راعیل بتایا ہے۔ پھر یہ دونوں عورتیں ایک کیونکر سمجھی جا سکتی ہیں۔

اس استدلالِ بالا کے بعد جو تاریخی ہے اور بائیبل کی تصدیق سے مضبوط ہے، ہم یہ بھی لکھ دینا چاہتے ہیں کہ " اَلطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ اور اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ کا

اصول ایسا زبردست ہے جو ناممکن ٹھہراتا ہے کہ کسی نبی یا رسول کے پہلو میں ایسی عورت پائی جائے جو حیا باختہ ہو۔

امراۃ لوط اور امراۃ نوح بھی ہم کو یاد ہیں۔ اِن دونوں کی خیانت کا ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے میکے والوں کو اور اپنی قوم کو اپنے اپنے شوہر کے خلاف مدد دی تھی۔ لیکن اِن دونوں عورتوں کی عصمت کے خلاف تو کسی روایت میں ایک حرف بھی موجود نہیں۔"

اِسی کی تائید صاحب تفہیم القرآن سید مودودیؒ کی اس تحریر سے ہوتی ہے:۔

"رہا زلیخا سے حضرت یوسفؑ کا نکاح تو اس افسانے کی بنیاد صرف یہ ہے کہ بائبل اور تلمود میں فوطیفرع کی بیٹی آسناتھ سے اُن کے نکاح کی روایت بیان کی گئی ہے اور زلیخا کے شوہر کا نام فوطیفار تھا۔ یہ چیزیں اسرائیلی روایات سے نقل در نقل ہوتی ہوئی مفسرین تک پہنچیں اور جیسا کہ زبانی افواہوں کا قاعدہ ہے، فوطیفرع بآسانی فوطیفار بن گیا، بیٹی کی جگہ بیوی کو مل گئی اور بیوی لامحالہ زلیخا ہی تھی۔ لہٰذا اس سے حضرت یوسفؑ کا نکاح کرنے کے لیے فوطیفار کو مار دیا گیا اور اس طرح "یوسف زلیخا" کی تصنیف مکمل ہو گئی۔ (تفہیم القرآن۔ جلد دوم صفحہ ۴۲۴)